ناولٹ

عید مبارک

ناہید سلطانہ اختر



ناولٹ

عید مبارک

ناہید سلطانہ اختر



اماں منہ ہی منہ میں بکتی جھکتی، کمرا در کمرا گھومتی، چیزوں کو بلا مقصد ادھر سے اٹھا کر اُدھر رکھتی بولائی بولائی سی پھر رہی تھیں اور ابا برآمدے میں پڑی اپنی ہی طرح عمر رسیدہ راکنگ چیئر پر بیٹھے اس

کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے دھیرے دھیرے جھولے لے رہے تھے۔

اماں چھوٹے کمرے سے نکلیں برآمدے میں بڑے تخت پر بچھے پھولدار تخت پوش کا ایک کونا پکڑ کر زور سے کھینچا اور ابا پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر بولیں۔ "راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔"

ابا نے ایک آنکھ ذرا سی کھولی ڈیلا گھمایا اور اماں پر فوکس کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولے۔ "مجھ سے کچھ کہا؟"

"نہیں پڑوسیوں سے۔" اماں کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"اچھا.... میں سمجھا آپ مجھ سے کچھ کہہ رہی ہیں۔" ابا نے اپنی ادھ کھلی آنکھ دوبارہ بند کرلی۔

"ایک میں ہی رہ گئی ہوں اس گھر میں ساری فکریں کرنے کو۔" اماں بڑبڑائیں۔

"نصیب دشمناں! باقی کہاں گئے؟" ابا نے مسلسل جھولے لیتے ہوئے کہا۔

اماں نے تیز سی نظر سے دیکھا۔ "بیٹی اپنے گھر بار کی ہوئی، باپ ہیں تو ریٹائرمنٹ کے بعد ساری فکروں سے سبکدوش، مسجد، یہ کرسی یا اخبار اللہ اللہ خیر صلا رہے صاحبزادے تو اجنبیوں کی طرح رہتے ہیں گھر میں، دفتر سے آئے کمرا کمرے سے نکلے دفتر...."

"شادی ہوگئی ہوتی تو آج اس گھر میں اس کے دو تین بچے کھلکھلا رہے ہوتے۔"

اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور رقت زدہ لہجے میں بولیں۔ "بس میرے زخموں کو نہ چھیڑیں.... ایک ہی بیٹا اور اس کی طرف سے بھی دکھی ہوں، اچھا خیر...." اماں نے اچانک اپنا لہجہ بدلا۔ "کل کی بتائیں دانیہ کو لینے کے لیے آپ اکیلے ہی ائرپورٹ جائیں گے یا میں نایاب کو بھی بلالوں؟"

"نایاب آجائے تو بہت اچھا ہے، آپ نہیں چلیں گی کیا؟"

"کوئی گھر پر بھی تو ہونا چاہیے دروازہ کھولنے اور اسے خوش آمدید کہنے کے لیے کبھی کبھی فلائٹ لیٹ بھی ہوجاتی ہے۔ سامان آنے میں بھی وقت لگتا ہے۔ آنے والے مہمان کے ساتھ خود بھی تھک کر گھر واپس لوٹو تو آپ مہمان بننے کو جی چاہتا ہے، ہماری عمر اب وہ نہیں رہی.... میں نایاب سے کہہ دوں گی وہ آجائے گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی...."

"پہلی بار بھانجی آپ کے گھر آرہی ہے اور رمضان ساتھ لے کر اور آپ یوں بے فکر سے بیٹھے ہیں جیسے"

ابا نے دونوں آنکھیں کھولیں دھیرے سے مسکرائے اور اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "آپ کے ہوتے مجھے کسی بات کی فکر کرنے کی کیا ضرورت"

اماں نے انہیں محبت سے گھورا۔

"آپ کی انہی اداؤں نے تو ہمیں ساری زندگی زیر رکھا" ابا نے اماں کو خاصی محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

"توبہ ہے۔" اماں نے نظریں چرالیں۔

ابا کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

☆☆☆

دانیہ، ابا کی چھوٹی بہن ساجدہ کی بیٹی تھی۔ ساجدہ کی شادی کوئی پینتیس سال پہلے ایک مکمل طور پر غیر گھرانے میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد شوہر انہیں انگلستان لے گئے جہاں وہ بسلسلۂ معاش مقیم تھے تین بچے ہوئے بڑی بیٹی نگینہ اس سے چھوٹا بیٹا ظہیر اور ظہیر سے چھوٹی دانیہ چھوٹی بیٹی کی

پیدائش کے بعد ساجدہ کے شوہر کا ایک دوسری عورت سے چکر چل گیا اور انہوں نے طلاق دے دی۔ ساجدہ نے بچوں کو بہت صعوبتیں اٹھا کر پالا تھا۔

نگینہ فیشن ڈیزائنر تھی، اس نے ایک مصری نژاد اور برطانوی شہری سے پسند کی شادی کی تھی اور وسط لندن میں خوش حال زندگی بسر کررہی تھی۔ ظہیر ایک اسٹور کا مالک تھا۔ اس نے ایک اردنی لڑکی سے شادی کی تھی۔ دانیہ نے قانون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شادی کے بعد تمام برسوں میں ساجدہ صرف دو مرتبہ پاکستان آسکی تھیں۔ نگینہ اور ظہیر کو پاکستان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے خیال میں پاکستان سے ان کا تعلق بس اتنا تھا کہ وہ ان کے والدین کا وطن تھا اور بس۔ اپنا وطن تو وہ انگلستان کو سمجھتے تھے لیکن بڑے بھائی اور بہن کے برعکس دانیہ کا انداز فکر مختلف تھا۔ وہ پاکستان کو اپنا وطن کہتی اور مغرب میں رہتے ہوئے بھی مشرقی اقدار سے پیار کرتی تھی۔ کالج کے زمانے میں اس کا میلان یکا یک مذہب کی طرف ہوا اور اس نے باقاعدگی سے اسلامک سینٹر جانا شروع کردیا۔ اپنے شوق و مطالعے سے اس نے اسلامی تعلیمات کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ پنج وقتہ نماز کے علاوہ وہ تہجد کی نماز بھی پڑھتی، قرآن حکیم کا بلاناغہ مطالعہ کرتی اور اپنے علم میں اہل خانہ کو بھی شریک کرنے کی کوشش کرتی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگہی نے اس کی زندگی کا رنگ ڈھنگ ہی بدل دیا تھا۔ طبعاً وہ ایک نیک فطرت اور دوسروں کا خیال رکھنے والی لڑکی تھی۔ چھٹی کے دنوں میں وہ گھریلو امور میں ماں کا پورا ہاتھ بٹاتی۔ اسے ماں کے دکھوں کا دل سے احساس تھا۔ جانتی تھی کہ اس کا باپ اس کی ماں کے تمام تر دکھوں کا ذمے دار بلکہ سچ تو یہ تھا کہ اس کا مجرم تھا۔

لیکن یہ جاننے کے باوجود وہ اپنے دادا کے انتقال پر اپنے باپ کے گھر والوں سے ملنے پاکستان آرہی تھی۔ جب اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار ماں سے کیا تو وہ حیرانی سے اس کا منہ دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

"تم اس شخص کے گھر والوں سے ملنے کے لیے جانا چاہتی ہو جس نے میرے ساتھ تم بھائی بہنوں کی زندگیوں کو بھی روگ لگا کر رکھا۔"

"ما!" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں ان لوگوں کا کیا قصور ہے؟"

"قصور ہے نا کبھی پلٹ کر پوچھا ان لوگوں نے ہمارا حال؟"

"اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم بھی وہی کریں۔"

"انصاف تو یہی ہے۔"

"مگر درگزر پیاری ما بدلہ لینے سے معاف کردینا زیادہ افضل ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول ﷺ اپنے ایک ایک دشمن سے بدلہ لے سکتے تھے مگر آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کرکے دنیا کو درگزر کا سبق دیا مجھے پاکستان جانے کے لیے آپ کی اجازت چاہیے۔"

ساجدہ جانتی تھیں شخصی آزادی کے علمبردار دیس کی پروردہ اگر ان کے اجازت نہ دینے سے رک بھی گئی تو اسے جبر محسوس کرے گی سو انہوں نے کہا۔ "صرف ایک شرط پر۔"

"جی بتائیں کیا شرط ہوگی؟"

"تم ان لوگوں سے صرف ملنے کے لیے جاؤ گی رہوگی ماموں کے گھر۔"

"اوکے تھینک یو ویری مچ۔"

☆☆☆

لندن سے کراچی آنے والی پرواز لینڈ کر چکی تھی اور دانیہ جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اپنی ماں کو مس کر رہی تھی۔ وہ بھی ساتھ ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا وہاں انگلستان میں ان کے اکیلے پن کے خیال سے اس کا دل دکھ رہا تھا۔ نگی اور زی کو تو اپنی زندگیوں سے ہی فرصت نہیں ملتی جو وہ کسی اور کے بارے میں سوچنے کی فکر کریں۔ نگی اور زی، جمینہ اور ظہیر کے نک نیم تھے۔

اپنی سامان بردار ٹرالی کو چلاتی وہ ایرائیول لاؤنج سے باہر نکلی تو اس نے اپنے ماموں جلیل احمد اور ان کی بیٹی نایاب کو اپنا منتظر پایا۔ ایک دوسرے کی دیکھ رکھی تصاویر اور وڈیوز کے بدولت انہیں باہمی شناخت میں کوئی وقت نہیں ہوئی لیکن نایاب نے اسے مزید آسانی فراہم کرنے کو ایک چلے کارڈ اٹھا رکھا تھا جس پر اس کا نام "دانیہ نذیر" جلی حروف میں درج تھا۔ ماموں اور نایاب نے اس کے استقبال میں اس کی توقع سے بڑھ کر گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ دونوں اس کے لیے خوب صورت گلدستے لائے تھے۔

گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے اپنے چہار اطراف ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور نایاب کی جانب دیکھتے ہوئے خوشی سے معمور لہجے میں بولی۔ "تو میں اپنے دیس میں ہوں؟"

"ہاں، تمہاری مم کا دیس۔" نایاب کو اچھا لگا کہ وہ خوامخواہ انگریزی کا رعب نہیں جھاڑ رہی تھی۔

"فادر کا اور میرا بھی۔" وہ بولی۔

نایاب کو تعجب ہوا کہ وہ اپنے بے وفا باپ کا ذکر بھی کتنے اطمینان سے کر گئی تھی، نایاب کا خیال تو یہ تھا کہ وہ اس شخص کا نام بھی اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتی ہوگی تعجب تو نہ صرف نایاب بلکہ ابا کو بھی اس کے لبادے پر بھی ہوا تھا۔ اس نے ریشمی عبایا پہن رکھی تھی اور سر پر اسکارف تھا۔ پیروں میں فلیٹ شوز تھے۔ گھر جاتے ہوئے نایاب اس پر اپنے استعجاب کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکی۔

"تم تو میرے تصور سے بالکل مختلف نکلیں۔"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"مختلف! وہ کیسے؟"

"میں سوچ رہی تھی تم نے ویسٹرن اسٹائل کے کپڑے پہن رکھے ہوں گے، پینسل ہیل شوز ہوں گے، کندھے پر لیٹسٹ اسٹائل کا بیگ، آنکھوں پر گاگلز اور منہ میں چیونگم، تم آ کر کہو گی ہیلو انکل، ہائے کزن! مگر تم نے تو السلام علیکم کہہ کر ابا کے سامنے سر جھکا دیا کہ وہ تمہارے سر پر ہاتھ پھیریں اور مجھ سے بالکل دیسی انداز میں گلے ملیں۔" وہ پھر مسکرائی۔

"ہماری تہذیب یہی تو ہے۔"

"مگر تم تو مختلف تہذیب میں پلی بڑھی ہو؟"

"انسان کو اپنی اصل تو یاد رکھنی چاہیے نا!"

"بہت ٹھیک۔" اگلی نشست پر بیٹھے ابا بغور دونوں کی باتیں سن رہے تھے بولے۔

"اور سنائیں گھر میں سب لوگ ٹھیک ہیں؟" دانیہ نے پوچھا۔

"ہاں، اماں کے ہاں تو بس اماں ہوتی ہیں ابا اور عریش...... سب ٹھیک ہیں، میں اپنی سسرال میں ہوتی ہوں۔ میاں ہیں، ساس ہیں ایک دیور ہے اور ایک بیٹا۔"

"ارے ہاں! اسے کہاں چھوڑ آئیں آپ؟"

"اماں کے پاس ساتھ ہوتا تو خود بھی تنگ ہوتا مجھے بھی تنگ کرتا۔"

"مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"لیکن پالنا بہت مشکل ہے۔" نایاب نے اپنے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا پھر مزید گرہ لگائی۔ "مجھے تو ایک ہی بچے نے پاگل بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ابھی فیڈ دینی ہے، اب نہلانا ہے، اب چینج کرانا ہے، اس وقت صاحبزادے کے سونے کا وقت ہے، اب جاگیں گے، رونے پر آتا ہے تو اسے چپ کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بیمار ہو جائے تو رات رات بھر جاگو۔"

"تبھی تو ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔ ماں واقعی عظیم ہوتی ہے، دیکھیں نا میری ماں، کتنی قربانی دی ہے انہوں نے ہم بھائی بہنوں کے لیے۔ اپنے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔ شی از گریٹ۔"

ائرپورٹ سے گھر تک راستہ کافی طویل تھا۔ دونوں باتیں کرتی رہیں اور گاہے گاہے ابا بھی ان کی باتوں میں شریک ہوتے رہے۔

☆☆☆

"بھیا جی کو پتا ہے؟" باورچی خانے میں اماں کا ہاتھ بٹاتی ملازمہ نے جسے اماں، ابا اور ان کی دیکھا دیکھی ہر اپنا پرایا بھی چھوٹی کہتا تھا اماں سے پوچھا۔

"انہیں گھر سے کوئی دلچسپی اور گھر والوں سے کوئی تعلق ہو تو انہیں پتا ہو۔" اماں کے لہجے میں ناگواری سے زیادہ دکھ تھا۔

"پتا نہیں بھیا جی ان سے بھی بات کریں گے کہ نہیں؟" چھوٹی کہنے کو تو ملازمہ تھی، ابا کے ایک دوست کے خاندانی ملازم کی بیٹی جو چھ سال کی عمر سے اس گھر میں رہ رہی تھی لیکن بارہ سال سے اس گھر میں رہتے رہتے گھر کے تقریباً ہر معاملے سے واقف اور بیشتر میں دخیل رہنے لگی تھی۔ اماں چپ رہیں۔

"بھیا جی نے اگر ان سے بھی بات چیت نہ کی تو وہ کیا سوچیں گی؟" چھوٹی کے لہجے میں غیر معمولی تشویش تھی۔

"ہم خود بتا دیں گے۔" اماں نے ہاتھ جھٹکا۔ "کہ اس گھر میں ایک اکل کھرا بھی رہتا ہے جو اگر بات چیت نہ کرے تو برا منانے کی ضرورت نہیں۔"

گھر کے باہر گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی۔ اماں نے کھڑکی سے جھانکا اور ہاتھ دھو کر کھونٹی سے لٹکے تولیے کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔ "آ گئے میں جا رہی ہوں، دو تین منٹ اور بھنائی کر کے ہلکا سا شوربا کر دینا۔"

چھوٹی نے ہنڈیا کی بھنائی شروع کرنے سے پہلے کھڑکی سے باہر جھانکنا ضروری سمجھا۔ ان دیکھے لوگوں کو پہلی بار دیکھنے سے پہلے کا تجسس اور اشتیاق اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔ گاڑی پورچ میں رکی۔ سوار اترے اور چھوٹی کی آنکھوں سے جھلکتے تجسس اور اشتیاق میں حیرانی کا رنگ شامل ہو گیا۔

"یہ تو لگتا ہے لندن سے نہیں عمرہ کر کے سعودی عرب سے آئی ہیں۔" چھوٹی نے ہنڈیا کی بھنائی کے لیے چمچ سنبھالتے ہوئے سوچا۔

اماں، دانیہ کو بڑے تپاک سے گلے لگا رہی تھیں۔

☆☆☆

گو دانیہ نے کہہ دیا تھا کہ لینڈنگ سے قبل فضائی میزبانوں نے خاصا پُرتکلف ناشتا کروا دیا تھا مگر اماں نے جو دوپہر کے کھانے کے لیے بھی ہانڈی چڑھا چکی تھیں دانیہ کو دوبارہ ناشتا کروانا ضروری سمجھا کہ بقول گورا صاحب فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ، سسرال آنے والی دلہن تمام عمر خواہ کتنے ہی مرغن و مقوی ناشتوں کا مزہ لیتی رہے اسے شادی

کے بعد پہلے دن سسرال میں ملنے والا ناشتا تا زندگی نہیں بھولتا۔ اس معاملے میں سسرال والوں سے ذرا کوتاہی ہو جائے تو نہ صرف دلہن بلکہ اس کے متعلقین بھی منہ بھر بھر کے جتاتے رہتے ہیں۔

"ارے، پہلے دن کیا ناشتا دیا تھا کمبختوں نے۔ پراٹھے، آملیٹ، پچھلی رات ہمارے ہی ہاں سے بھجوایا گیا قورمہ اور چائے کی ایک پیالی۔" سو اماں نے بھی دانیہ کے بزار منع کرنے کے باوجود صرف اس لیے کہ ساجدہ کو شکوے کا موقع نہ ملے چھوٹی کی مدد سے ناشتے کے مشرقی اور فیشنی لوازمات سجا دیے۔ پراٹھے، آملیٹ، ہاف فرائیڈ انڈے، فرائنگ پین میں بھنی بھنڈی، ڈبل روٹی کے سلائس، بسکٹ، مکھن، جام، جیلی، مایونیز اور چیز۔

"ممانی جان، میں نے جہاز میں اچھی طرح ناشتا کر لیا تھا۔" دانیہ نے ناشتے کی میز پر آنے سے قبل آخری مرتبہ کہا۔

"بس بس اب آجاؤ، پراٹھے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔" اماں بولیں۔

"جہاز کا ناشتا تو ہضم بھی ہو چکا ہوگا دانیہ باجی۔" چھوٹی جو اپنی طویل خدمات کے سبب گھر کے اکثر معاملات میں بے تکلف دخیل رہنے لگی تھی بولی۔

"ان کا میں نے کبھی ذکر نہیں سنا ماسے۔" دانیہ نے سرگوشی میں نایاب سے کہا۔ چھوٹی کی خوش لباسی اسے کسی صورت بھی ملازمہ سمجھنے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی۔

"یہ چھوٹی ہے، نام تو اس کا عالیہ ہے مگر ہم سب اسے چھوٹی کہتے ہیں کیونکہ جب یہ ہمارے گھر آئی تو چھوٹی سی تھی مگر اب یہی پورے گھر کی کیئر ٹیکر ہے۔ ہمارے گھر دونوں وقت کھانے کا مینیو اب اسی کے مشورے سے ترتیب پاتا ہے۔ اماں کو شاپنگ کے لیے جانا ہو یا اپنے ڈینٹسٹ کے پاس..... چھوٹی کا ان کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ میں تو کبھی کبھی اس سے جیلس فیل کرنے لگتی ہوں۔" اپنے آخری جملے پر نایاب نے مسکراتے ہوئے چھوٹی کو دیکھا جو چائے دانی پر ٹی کوزی چڑھا رہی تھی۔

"پھر تو چھوٹی سی باادب باملاحظہ رہنا پڑے گا۔" دانیہ بھی مسکرا دی۔

"مجھے حیرانی اس بات پر ہو رہی ہے دانیہ کہ تم اتنی اچھی اردو کیسے بول لیتی ہو؟" نایاب نے کہا۔

"ما گھر میں ہم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اردو میں بات چیت کرتی رہی ہیں۔"

"تمہاری زبان سے پھپھو کے لیے مم یا ماما کے بجائے ماسنا بھی اچھا لگ رہا ہے۔"

"یہ بھی ما نے سکھایا تھا۔"

"ساجدہ کو اللہ خوش رکھے۔ وہ شادی سے پہلے یہاں اور شادی کے بعد پردیس جانے پر بھی مکمل مشرقی رہیں۔" اماں بولیں۔ ناشتے کے بعد نایاب نے اپنے گھر جانے کو پر تولے۔

"مجھے لینے کے لیے ائرپورٹ آنے کا شکریہ۔" دانیہ نے کہا۔

"ارے، کیسی باتیں کرتی ہو۔" نایاب نے اس سے گلے ملتے ہوئے ڈھیرے سے اسے پیار کیا اور بولی۔ "سوری دانیہ، میرے میاں دفتر کے کام سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں کل رات واپسی ہے، میں اب پرسوں ان کے ساتھ تم سے ملنے آؤں گی۔"

"ایک کل کا دن ہی ہے پھر تو رمضان شروع ہو جائیں گے۔" چھوٹی نے روئے سخن دانیہ کی طرف کیا اور بولی۔ "کیوں جی، آپ کو افطار پارٹیوں کا بہت شوق ہے کیا جو رمضان میں آئی ہیں آپ؟"

"میں نے دانیہ سے تمہارا تفصیلی تعارف کرا دیا ہے۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں۔" چھوٹی نے ترت کہا۔

"یہ اسے ہمارے ابا کا فیض ہے۔" نایاب کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

نایاب کے جانے کے بعد اماں نے دانیہ کو اس کے لیے بطور خاص آراستہ کیا جانے والا کمرا دکھایا۔ چھوٹی بھی مصاحبۂ خاص کی صورت ساتھ ساتھ تھی۔

"دانیہ بی بی، کھڑکی کا پردہ سرکا کر آپ کمرے میں بیٹھے بیٹھے بلکہ بستر پر لیٹے ہوئے بھی پارک کی سیر کر سکتی ہیں۔" چھوٹی نے کمرے کی غربی دیوار میں موجود کھڑکی پر پڑا ریشمی پردہ سرکاتے ہوئے کہا۔

دانیہ کی آنکھیں گھر کے عین مقابل سڑک کے دوسری طرف واقع وسیع و عریض پُربہار پارک سے تراوٹ محسوس کرنے لگیں۔

"کھڑکی کھول دوں؟" چھوٹی نے پوچھا۔

"تمہاری مرضی۔"

"کھول دیتی ہوں، پارک کی طرف سے بڑی اچھی ہوا آتی ہے۔"

"اچھا بس، اب چلو دانیہ کو آرام کرنے دو۔" اماں بولیں۔ "دانیہ بیٹے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلف بتا دینا۔"

اماں اور چھوٹی کے جانے کے بعد وہ پارک کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے نزدیک جا کھڑی ہوئی۔ پاکستان کی یہ چھوٹی سی تصویر اسے اپنے تصور میں بسی پاکستان کی ان گنت تصویروں سے بڑھ کر شگفتہ انداز لگ رہی تھی۔

☆☆☆

شام کو گھر کے لان میں ابا، اماں اور دانیہ چائے پی رہے تھے کہ گھر کے صدر دروازے پر ایک گاڑی کا ہارن بجائے جانے پر چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ سیاہ رنگ کی ایک شی اندر داخل ہوئی اور گول دریائی پتھروں سے مرصع گزرگاہ سے ہوتی ہوئی پورچ میں جا رکی۔ ایک خوش لباس شخص گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور انتہائی بے تکلفی سے گھر کے اندر چلا گیا۔ دانیہ نے دیکھا اس کے ساتھ بیٹھے ابا اور اماں کی نظریں باہم ملیں اور جھک گئیں۔ زمانے کے گرم و سرد دیکھے شکن آلود چہروں پر شرمندگی کے سائے تھے۔ گاڑی میں آنے والے شخص کے بارے میں نہ ان دونوں نے کچھ بتایا نہ دانیہ نے کچھ پوچھا۔ چائے سرو کرتی چھوٹی کی نگاہوں میں البتہ معنی خیزی رقصاں دکھائی دی۔

چائے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو چھوٹی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئی۔

"دانیہ بی بی باتھ روم سے آپ کے کپڑے لے لوں دھونے کے لیے؟" اس نے اجازت طلب لہجے میں کہا۔

"میں خود دھو لوں گی چھوٹی، تم بس اتنا بتا دینا لانڈری کس طرف ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں، نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے، اماں مجھے اتنا ڈانٹیں گی کہ کیا بتاؤں۔"

"ممانی جان تو بہت نرم سی دکھائی دیتی ہیں۔"

"غصہ آئے تو بہت برا ڈانٹتی ہیں۔"

"اچھا!"

"جی ہاں..... ایک دفعہ بھیا جی کو ایسی سنائیں کہ انہیں تو پھر چپ ہی لگ گئی۔"

"بھیا جی!" دانیہ کے لہجے میں استفسار بھی تھا تجسس بھی۔

"اچھا آپ پہلی بار آئی ہیں نا اس لیے۔"
چھوٹی نے دانیہ کی لاعلمی کی خود ہی توجیہہ پیش کردی۔
"مگر اتنا تو پتا ہوگا نا کہ اس گھر میں ایک عرش بھیا بھی ہیں.... گاڑی سے اتر کر اندر جاتے دیکھے ہوں گے نا آپ نے؟"
"اچھا تو وہ ہیں عرش بھائی..... اتنے روڈ سے نہ کسی کو سلام نہ......"
"ایسے ہی رہتے ہیں بس۔"
"کیوں؟"
"میں بیٹھ جاؤں؟"
"ہاں، ہاں بیٹھو......"
چھوٹی نے دائیں بائیں دیکھا اور خاصے رازدارانہ انداز میں گویا ہوئی۔ "جس گھر میں میرے ابا کام کرتے ہیں ان لوگوں کی ایک لڑکی تھی جس سے بھیا جی کو محبت تھی۔ میں نے سنا ہے وہ بھی بھیا سے محبت کرتی تھی مگر اماں کو پتا نہیں کیوں وہ لڑکی پسند نہیں تھی۔ بھیا جی چاہتے تھے اماں اور ابا رشتہ لے کر جائیں۔ اماں کے سمجھانے پر ابا بھی آج کل پر ٹالتے رہے۔ لڑکی کا آگیا کوئی رشتہ، بھیا جی نے اماں سے کہا اب تو فوراً جائیں، اماں، ابا نایاب باجی سب مل ملا کر گئے ان لوگوں نے کہا آپ کا ارادہ تھا تو پہلے بتاتے، خیر لڑکی سے اس کی مرضی پوچھیں گے پھر جواب دیں گے آپ کو بھی اور انہیں بھی۔ سنا ہے وہ دوسرے لوگ بہت امیر تھے لڑکی نے ان کے لیے ہاں کردی۔ بھیا جی اماں پر بہت ناراض ہوئے کہ آپ لوگوں کی دیر نے میری زندگی برباد کردی۔ بھیا جی کے چیخنے چلانے پر اماں کو بھی غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا۔ تم ہم پر کیوں چلاتے ہو جا کر اس پر چیخو چلاؤ جس نے محبت کا ڈھونگ تم سے رچائے رکھا اور ہاں دوسرے کے لیے کردی صرف اس لیے کہ وہ مال و دولت میں زیادہ تھا۔ بھیا جی کے دل کو یہ بات ایسی لگی کہ انہیں چپ ہی لگ گئی...... بس اس کے بعد سے گھر میں کسی سے بولتے چالتے ہی نہیں ہیں۔"
"اور اس لڑکی کی شادی ہوگئی؟"
"ہاں جی، بہت دھوم دھام سے...... بھیا جی سے چوری چھپے اپنے امی ابا کے بلانے پر میں بھی گئی تھی شادی میں..... اللہ ایسی شادی کہ میں نے تو پہلے اتنی زبردست شادی کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔"
"بڑی فلمی کہانی لگتی ہے۔"
"فلم بھی تو کہانی سے بنتی ہے دانیہ باجی۔"
"ہوں تم عقلمند!"
"ہاں جی، وہ تو میں ہوں۔" چھوٹی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اپنی گردن فخر سے اکڑائی۔

☆☆☆

دوسرا دن تھا مغرب کی نماز کے بعد وہ کمرے سے نکلی اور لاؤنج میں آئی تو اماں اور چھوٹی لاؤنج ہی میں تھیں۔ ٹی وی آن تھا مگر آواز بند۔
"رمضان کا چاند ہوگیا ہے..... مبارک ہو۔" اماں نے اسے دیکھتے ہی کہا اور اٹھ کر پیار کیا۔
"آپ کو بھی ممانی جان۔"
"مبارک ہو بھئی، چاند ہوگیا ہے۔" ابا نے باہر سے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ان کے سر پر ٹوپی مسجد سے نماز کی ادائیگی کے بعد واپسی کی گواہی دے رہی تھی۔
"خیر و برکت کا چاند ہو۔" اماں بولیں۔
"ارے بھئی رمضان تو ہے ہی خیر و برکت کا دوسرا نام۔"

"ہاں۔" اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"اللہ اس مہینے کی برکت سے میرے دل کی لگی کو بھی ٹھنڈک دے۔ دل کٹ رہا ہے میرا تو یہ سوچ سوچ کر کہ مسلمان گھرانوں میں لوگ اکٹھے بیٹھ کر ہنسی خوشی سحری، افطاری کرتے ہیں اور یہاں دو سال سے....."
ابا تنبیہ کرنے والے انداز میں دھیرے سے کھنکھارے اور اماں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
دانیہ سوچ میں پڑ گئی کہ اس کی ممانی کی اس بات کا کیا مطلب تھا۔ "مسلمان گھرانوں میں لوگ اکٹھے بیٹھ کر ہنسی خوشی سحری، افطاری کرتے ہیں اور یہاں دو سال سے..." کیا ہو رہا تھا یہاں دو سال سے جسے سوچ سوچ کر ان کا دل کٹ رہا تھا۔
"اماں سحری کے لیے دودھ میں کتنی کھجوریں بھگو دوں؟" چھوٹی نے اماں سے پوچھا۔
"دانیہ بیٹی روزے رکھتی ہو؟" اماں نے پوچھا۔
"بہت پابندی سے ممانی جان!" اس نے جواب دیا۔
"ایک ایک سب کے لیے بھگو دو۔" اماں نے چھوٹی سے کہا پھر تفصیل سے وضاحت کی۔ "ایک دانیہ کے لیے، ایک ایک ان کے، میرے اور اپنے لیے۔" دانیہ کو حیرت ہوئی عرش کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا انہوں نے کیا وہ خدانخواستہ روزہ خور تھا..... اگر ایسا تھا تو بہت بری بات تھی۔
رات کو جب وہ عشا اور تراویح کی نماز کے بعد سونے کی تیاری کر رہی تھی کمرے کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی اور ساتھ ہی چھوٹی کی آواز بھی۔ "دانیہ باجی....."
"ہاں..... آجاؤ..... دروازہ کھلا ہے۔"
چھوٹی دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ "اماں نے کہلوایا ہے یاد سے الارم لگالیں آپ ٹائم پیس میں، چار پچیس پر روزہ بند ہوجائے گا۔"
"ٹھیک ہے، میں تو تہجد کے وقت اٹھی ہوتی ہوں۔"
"آپ تہجد بھی پڑھتی ہیں!" چھوٹی نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے کہا۔
"اس میں اس قدر حیرانی کی کیا بات ہے؟" دانیہ دھیرے سے مسکرائی۔
"تہجد تو لوگ بڑھاپے میں پڑھتے ہیں۔"
"یہ تم سے کس نے کہہ دیا۔"
"مجھے معلوم ہے۔"
"غلط معلوم ہے۔ صبح سحری کے لیے جلدی اٹھنے کو تمہیں سونا بھی جلدی ہوگا۔ کل دن میں تم میرے پاس بیٹھنا ہم نماز کے بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔"
"ٹھیک ہے۔"
"ویسے اتنا بتاؤ نماز پڑھتی ہو؟"
چھوٹی نے قدرے خجالت سے نفی میں سر ہلا دیا۔
"پڑھا کرو..... پڑھنا چاہیے..... روزِ قیامت حساب بھی تو دینا ہے۔"
"پڑھوں گی۔"
"گڈ گرل۔" دانیہ نے اس کا سر تھپتھپایا۔

☆☆☆

سحری کے وقت کھانے کی میز پر دانیہ تھی، اماں، ابا اور چھوٹی۔ دانیہ کو اپنے ماموں اور ممانی کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ کھانے کی میز پر وہ چھوٹی کو بھی فردِ خانہ کی طرح ان کے ساتھ ہی بیٹھتے دیکھ رہی تھی مگر افرادِ خانہ میں سے ایک عرش کہاں تھا! وہ

تو گزشتہ رات بھی کھانے پر موجود نہیں تھا اور اب اس وقت سحری پر بھی نہیں تھا۔

دوپہر کو جب وہ چھوٹی کو نماز کے بارے میں تفصیل سے درس دے چکی تو اس نے پوچھا۔

''چھوٹی ایک بات بتاؤ عریش بھائی رات کو کھانے پر بھی نہیں تھے اور صبح سحری پر بھی نہیں...... کیوں؟''

''وہ اپنے کمرے میں ہی کھاتے پیتے ہیں۔''

''کیوں؟''

''گھر والوں سے ناراض جو ہیں۔''

''لیکن تم سے نہیں...... تم ہی پہنچاتی ہوگی ان کے کمرے میں کھانا؟''

''توبہ کریں۔'' چھوٹی نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ''مجھ سے دشمن کی طرح چڑتے ہیں۔''

''کیوں!'' دانیہ چونکی۔

''میرے ابا جوان کی بے وفا محبوبہ کے گھر میں نوکر ہیں۔''

''آئی سی!'' دانیہ مسکرا دی۔ ''تو پھر خود نکال کر لے جاتے ہوں گے وہ کچن سے اپنا کھانا۔''

''نہیں...... بازار سے لا کر کھاتے ہیں جو بچ جاتا ہے اسے فریج میں رکھ لیتے ہیں۔ اپنے کمرے میں ایک چھوٹا سا فریج بھی رکھا ہوا ہے انہوں نے اور ایک مائیکرو ویو بھی۔ اسی میں چائے بنا لیتے ہیں اپنے لیے۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ، کل ممانی جان کہہ رہی تھیں ان کا دل یہ سوچ سوچ کر کٹا جاتا ہے کہ سارے مسلمان گھرانوں میں لوگ اکٹھے بیٹھ کر خوشی خوشی سحری اور افطاری کرتے ہیں اور یہاں دو سال سے...... اس کا کیا مطلب تھا؟''

''دو سال سے بھیا جی نے خود کو اپنے کمرے ہی میں بند رکھا ہے نا...... سحری، افطاری اپنے کمرے میں کرتے ہیں۔''

''بوڑھے والدین پر تو یہ ظلم ہے۔''

''دوزخ میں جائیں گے۔'' چھوٹی نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''بری بات کسی مسلمان کے لیے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔''

''اگر وہ غلط ہو پھر بھی؟''

''اس کی درستگی اور رہنمائی کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے کوشش بھی۔''

☆☆☆

نایاب افطار سے کچھ پہلے اپنے شوہر عارف کے ساتھ آ پہنچی۔ اس نے آتے ہی معذرت کی۔

''سوری، سوری، سوری ہم وقت کے وقت پہنچے ہیں، اصل میں عارف دیر سے گھر آئے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' اماں ان دونوں کے آنے سے ایک دم بہت خوش دکھائی دینے لگی تھیں۔

نایاب نے عارف اور دانیہ کو باہم متعارف کرایا پھر جیسے اسے یکا یک کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا۔ ''ارے دانیہ تم کام میں کیوں لگی ہوئی ہو، لاؤ کیا رہ گیا ہے، مجھے بتاؤ میں کرتی ہوں۔''

''سب ہو گیا۔'' چھوٹی بولی۔

''تم تو یہی کہنا...... جلتی رہنا مجھ سے۔''

نایاب نے چھوٹی کے سر پر پیار سے دھپ لگائی۔

''دانیہ کو میں نے بھی بہت روکا مگر یہ خود آ کر کھڑی ہو گئی کچن میں۔'' اماں نے کچن سے نکل کر لاؤنج میں آتے ہوئے کہا۔

''میرا اپنا گھر جو ہے ممانی جان۔'' دانیہ کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

''جیتی رہو...... خدا تمہیں خوش رکھے۔''

"دانیہ بیٹی کے آنے سے رونق بڑھ گئی ہے ہمارے گھر کی۔" ابا بولے۔

"آپ کی محبت ہے ماموں جان۔"

افطار میں اب کچھ زیادہ وقت نہ تھا۔

"روزے دار کی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔" دانیہ کی بہت دھیمے لہجے میں کہی گئی یہ بات گویا اس کا اشارہ تھی کہ ان سب کو اس وقت اِدھر اُدھر کی باتوں کے بجائے دعا مانگنے کی ضرورت تھی۔ سب بیٹھ گئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد دانیہ کی نظر اماں کی طرف اٹھی تو اس نے دیکھا دونوں ہاتھ اٹھائے، آنکھیں بند کیے وہ انتہائی خشوع و خضوع سے زیرِ لب دعا مانگ رہی تھیں ان کے بند ہونٹوں پر ارتعاش تھا، چہرے پر رقت، دفعتاً ان کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو ڈھلکا اور ان کی ہتھیلی کی آغوش میں گر پڑا۔

افطار کے وقت عرلیش کے کمرے سے برتنوں کے اتصال کی دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دی تو اماں اور ابا کچھ بجل بجل سے دکھائی دینے لگے۔

مغرب کی نماز کے بعد چھوٹی نے کھانے کے برتن میز پر چننا شروع کیے تو دانیہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے دانیہ!" نایاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا؟" وہ مسکرائی۔

"تم مہمان ہو۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں مہمان نہیں ہوں اور دوسری بات یہ کہ انگلینڈ میں مہمان بھی کام میں میزبان کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور میں اسی کی عادی ہوں۔"

"اوکے، ایز یو وش۔"

کھانے کے دوران پورچ میں گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز لاؤنج تک پہنچی پھر گیٹ کھلنے اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے پھر گیٹ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ ابا سر جھکائے کھانے میں یوں مگن رہے جیسے گھر کا گیٹ کھلنے اور گاڑی کے باہر جانے سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ البتہ اماں کچھ تناؤ کا شکار دکھائی دینے لگیں۔ نایاب کی نگاہیں قدرے معنی خیز انداز میں اماں کی نگاہوں سے ملیں اور اماں نے دھیرے سے پہلو بدلا۔

"بھیا جی شاید افطاری پر گئے ہیں۔" چھوٹی نے حدِ ادب ملحوظ نہ رکھی۔ اس کی بے ساختگی پر اماں کے چہرے پر بکھرا تناؤ ناگواری بن کر ان کی آنکھوں میں ڈولنے لگا۔

"بے وقوف ہیں آپ!" نایاب نے اپنے مخصوص ٹھنڈے میٹھے لہجے میں کہا۔

"کیوں...کیوں نایاب باجی؟"

"کیونکہ افطاری کا وقت گزرے ایک گھنٹے سے زیادہ گزر چکا، عشا کے وقت افطاری کون کرتا ہے احمق لڑکی۔"

"افطاری کے بعد کھانا بھی تو کھاتے ہیں۔" چھوٹی مورچہ سنبھالے رہی۔

"ہاں تو وہ کھانا ہوتا ہے، افطاری تو نہیں۔"

"رمضان کے دنوں میں صبح کو جو کچھ بھی کھاتے ہیں اسے سحری کہتے ہیں اور جو شام کو کھاتے ہیں وہ افطاری ہوتی ہے۔"

"یار کس سے بحث میں پڑ گئیں۔" عارف نے مداخلت کی۔

"اس کی زبان تو کندھوں پر پڑی رہنے لگی ہے۔" اماں کو چھوٹی کی بے ساختگی کا حساب برابر کرنے کا موقع ملا۔ "ہم اسے گھر کا فرد سمجھتے ہیں مگر یہ اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے۔" چھوٹی کا منہ پھول گیا۔

"اچھا بھئی اچھا... بس۔" ابا نے بات رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

"سوری دانیہ..." نایاب نے میز کے نیچے دانیہ کے زانو پر ہاتھ رکھتے ہوئے ماحول کی کشیدگی پر معذرت کر کے گویا حقِ میزبانی ادا کرنے کی کوشش کی پھر سرگوشی میں بولی۔ "اماں بھی کبھی اچانک ٹینس ہو جاتی ہیں۔"

"اٹس آل رائٹ..." دانیہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

کھانے کے بعد اپنے گھر واپس جاتے ہوئے نایاب نے کھانے کی میز پر پیدا ہونے والی صورتِ حال کی نسبت دانیہ کو مزید صفائی پیش کی۔ "اماں عرلیش بھیا کی وجہ سے بہت ڈسٹرب رہتی ہیں اس لیے کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ غصہ کر جاتی ہیں۔ چھوٹی کو میں سمجھا کر تو جا رہی ہوں مگر اسے سب کے سامنے ڈانٹ پڑی ہے اس لیے ایک دو روز منہ پھولا رہے گا اس کا۔"

"آپ فکر نہ کریں، میں اسے سمجھا دوں گی۔"

"تھینک یو ڈیئر، تم یہ نہیں پوچھو گی دانیہ کہ عرلیش بھیا کا مسئلہ کیا ہے جو اماں اُن کی وجہ سے پریشان رہتی ہیں۔"

"چھوٹی نے کچھ کچھ بتا دیا ہے مجھے۔"

"او گاڈ! چھوٹی تو ہمارے گھر کی بھیدی بن گئی ہے۔"

"ماں کہتی ہیں گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔"

"خدایا!" نایاب بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسی اور دانیہ کو اپنے سے چمٹاتے ہوئے بولی۔ "پھپھو نے تو تمہیں محاوراتی اردو سکھائی ہے۔"

"مجھے اپنی ماں پر فخر ہے۔"

"تمہیں اس کا پورا حق ہے۔"

نایاب کو رخصت کرنے کے لیے اس کے ہمراہ عارف کی گاڑی کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے دانیہ نے کہا۔ "اسکول میں ہماری ایک ٹیچر ہوتی تھیں مسز میکملن۔ انہوں نے ایک مرتبہ ہمیں سمجھایا تھا کہ کسی شخص کی تکلیف یا دکھ کو نظر انداز کرنا اسے مزید تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے مگر اس سے اس کی پرابلم کے بارے میں بات کر کے آپ اس کا دکھ بٹا سکتے ہیں، وہ کہتی تھیں اگر کوئی معذور ہے تو اس پر ترس مت کھاؤ اس کے پاس بیٹھو اس سے پوچھو معذوری کیوں ہوئی، کیسے ہوئی، وہ آپ کو اپنا ہمدرد اور دوست سمجھے گا اور ایزی فیل کرے گا...... نایاب باجی کیا آپ کے خیال میں، میرا ممانی جان سے عرلیش بھائی کے بارے میں بات کرنا ٹھیک ہو گا؟"

نایاب چلتے چلتے تھم گئی اور اس نے دانیہ کا ہاتھ دھیرے سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "ضرور دانیہ... مائنڈ مت کرنا... تم نے بات کی ہے تو میں تمہیں بتا دوں، اماں آج کل اسی لیے کچھ زیادہ ٹینس ہو رہی ہیں کہ تم مہمان آئی ہو۔ عرلیش بھیا کا گھر والوں سے بے گانگی کا رویہ دیکھ کر کیا تاثر لو گی۔"

"یہ میرا دوسرا گھر اور آپ سب میری فیملی ہیں نایاب باجی... مجھے آپ کی پرابلم کو اپنی پرابلم سمجھنا چاہیے... مجھے شیئر کرنا چاہیے... میں شیئر کرنا چاہتی ہوں۔"

"تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ دانیہ......" نایاب کے لہجے میں شکر گزاری تھی۔

☆☆☆

سحری کے وقت دانیہ کچن میں آئی تو چھوٹی کا منہ رات والی بات پر واقعی پھولا ہوا تھا۔ اماں ابھی کچن میں نہیں پہنچی تھیں۔

"السلام علیکم چھوٹی!"

"وعلیکم۔"

"ناراض ہو؟"

"میری کیا اوقات کہ میں ناراض ہو سکوں۔"

"سلام کا جواب پورا کیوں نہیں دیا؟"

"وعلیکم السلام۔"

"گڈ! ویسے تم ہو بڑی اچھی لڑکی۔"

"میں اچھی کہاں ہوں۔" چھوٹی کے لہجے میں خفگی تھی۔ "کتنی خدمت کر لو ان لوگوں کی ایک منٹ میں عزت اتار کر ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔"

دانیہ اس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی۔ "خیال بھی تو کتنا رکھتے ہیں تمہارا . ممانی جان کو تو میں دیکھ رہی ہوں اپنے بچوں کی طرح پیار کرتی ہیں تم سے۔ کوئی بات ہو بس چھوٹی کو پتا ہوگا۔ چھوٹی سے پوچھو...... یہ بھی تو سوچو عرلش بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں وہ۔"

"تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟" چھوٹی زبان کے ساتھ دونوں ہاتھ بھی سرعت سے چلا رہی تھی۔

"اچھا سنو، آج عرلش بھائی کو بھی سحری پہنچانی ہے۔"

چھوٹی نے بڑ بڑا کر اس کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بولی۔ "مار کھانی ہے کیا!"

"کھا لیں گے یار۔" دانیہ کا انداز سرفروشانہ تھا۔

"کوئی بڑی ٹرے دو اس میں رکھتے ہیں عرلش بھائی کی سحری۔"

اماں کچن میں آئیں تو دانیہ، عرلش کے لیے سحری کی ٹرے آراستہ کر چکی تھی۔

"اماں سے پوچھ لیں۔" کچن میں اماں کے داخل ہوتے ہی چھوٹی نے کہا۔

"کیا؟" اماں نے پوچھا۔

"ممانی جان! عرلش بھائی کو سحری پہنچانے جا رہی ہوں میں۔"

اماں نے چونک کر دانیہ کو دیکھا، آن کی آن ان کے چہرے پر کئی رنگ گزر گئے۔ پہلے اچنبھا پھر دکھ پھر تذبذب اور آخرش سکون جیسے ڈوبتے کو کنارہ دکھائی دے رہا ہو۔

"نہ......" اماں نے منع کیا پھر دانیہ سے بولیں۔ "وہ ناراض ہے۔"

"مجھے معلوم ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ کیوں...... کچھ مجھے آپ کی لاڈلی چھوٹی نے بتایا اور کچھ نایاب باجی سے پتا چلا۔" دانیہ نے چھوٹی کو اماں کی جانب سے ممکنہ گوشمالی سے محفوظ رکھنے کی خاطر اپنی معلومات کا ماخذ چھوٹی کے ساتھ نایاب کو بھی قرار دے ڈالا۔ اماں انتہائی ملول دکھائی دینے لگیں۔

"اجازت ہے ممانی جان؟" دانیہ نے ٹرے اٹھائی۔

"اس نے کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو تمہارا دل برا ہوگا۔" اماں بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔"

"ایک منٹ۔"

وہ تھم گئی۔ اماں نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور اس کے ساتھ ٹرے پر بھی دم کر دیا۔

"تمہیں خود بھی سحری کرنی ہے، اس بات کا دھیان رکھنا۔" اماں نے کہا۔

"ابھی پندرہ منٹ ہیں ممانی جان۔" اس نے جاتے جاتے جواب دیا۔

☆☆☆

کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر وہ چونکا۔ کون ہو سکتا تھا۔ اماں، ابا، نایاب، عارف اور وہ تمام بہی خواہ اور دردمند جو چاہتے تھے کہ وہ کاتب تقدیر کے لکھے کو اپنا مقسوم جان کر حوصلے سے ایک نارمل انسان کی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کرے ان سب کو تو وہ متعدد تلخ سنا کر اپنے کمرے کا راستہ ان پر بند کر چکا تھا۔

پھر آج اور وہ بھی اس وقت کون چلا آیا تھا اس کے زخم ہرے کرنے۔ اس نے چائے کا مگ مائیکرو ویو اوون سے نکال کر باہر رکھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو سر پر اسکارف منڈھے، ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے ایک ناشناسا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"السلام علیکم!"

اس نے جواب نہیں دیا۔

"سلام کا جواب بھی دیا جاتا ہے۔"

"وہ خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا۔

"میرا نام دانیہ ہے، آپ کی پھپو ساجدہ کی بیٹی ہوں۔"

اس کی ابروئیں چڑھ گئی تھیں۔

"اندر آ سکتی ہوں؟"

"جی نہیں۔" اس نے بلا تامل منع کر دیا۔

"بری بات! خاتون اور وہ بھی گھر آئی مہمان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا...... آپ اجازت نہ بھی دیں تو میں خود اندر آ سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ ٹرے سمیت اتنی سرعت سے آگے بڑھی کہ عرلش جس کے لیے اس کی یہ حرکت قطعاً غیر متوقع تھی ایک جانب ہٹ کر اسے راہ دینے پر مجبور ہو گیا۔

"تھینک یو۔" اس نے کہا اور ٹرے کمرے میں موجود میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "سحری کر لیجیے۔"

وہ کمرے سے جانے کو مڑی تو عرلش اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو اٹھا نچاتے ہوئے اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔ "اے۔"

"میں اے بی سی نہیں ہوں۔ میرا نام دانیہ ہے، سمجھے آپ۔"

"اسے اٹھاؤ اور لے جاؤ۔" اس نے میز پر رکھی ٹرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کھائیں یا نہیں کھائیں یہ خدا کا دیا ہوا رزق ہے، یہیں رکھا رہے گا اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو ملامت کرتا رہے گا۔"

"زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں...... سمجھیں۔"

"فری! آپ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نہ ہوں...... بلا ضرورت تو میں خود اپنے آپ کو بھی لفٹ نہیں کراتی...... سمجھے آپ۔" اس نے تیزی سے راستہ بنایا اور دروازے سے نکلتے ہوئے بولی۔ "سحری کر لیجیے گا۔"

"زبردستی ہے!" وہ اس کے جانے کے بعد غرایا۔

دانیہ واپس لوٹی تو اماں، ابا اور چھوٹی سحری کے لیے اور سحری کرنے سے زیادہ عرلش کا ردعمل جاننے کے لیے اس کے منتظر تھے۔

"آج پہلا دن ہے، آج تو رکھ آئی ہوں...... دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" دانیہ نے کہا۔

"تو کیا آپ روزانہ لے کر جایا کریں گی سحری؟" چھوٹی نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"نہ صرف سحری بلکہ افطاری بھی۔" دانیہ نے کہا۔

"آؤ، اب تم بھی جلدی سے سحری کرلو وقت کم رہ گیا ہے۔" اماں خوش تھیں۔

☆☆☆

عریش کے دفتر جانے کے بعد دانیہ، اماں اور چھوٹی اس کے کمرے میں آئیں تو سحری کی ٹرے جوں کی توں رکھی تھی۔ اماں اداس ہوگئیں...... "میں اسے جانتی ہوں...... بہت ضدی ہے وہ۔"

"آپ فکر نہ کریں ممانی جان...... دعا کریں... دعا میں بہت طاقت بہت برکت ہوتی ہے۔" دانیہ نے انہیں دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"بیٹا زبان گھس گئی ہے میری دعا کرتے کرتے۔" اماں کے لہجے میں یاسیت تھی۔

"اللہ تعالیٰ بہتر کریں گے۔" دانیہ کے لہجے میں یقین تھا۔ کمرا بہت بے ترتیب اور گندا تھا۔

"ممانی جان! آپ جائیں، ہم دونوں کمرا صاف کرکے آتے ہیں۔"

"نہ بابا۔" چھوٹی نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "شروع شروع میں میں نے ایک دو مرتبہ صفائی کردی تھی بھیا جی نے ایسی جھاڑ پلائی کہ میرے تو چالیس طبق روشن ہوگئے۔"

اماں بے ساختہ ہنس دیں۔ "بے وقوف، چودہ طبق کے بجائے چالیس کہہ رہی ہے۔" پھر وہ دانیہ سے بولیں۔ "مگر کہہ رہی ہے یہ ٹھیک، وہ ناراض ہوگا۔ وہ خود کرتا ہے اپنے کمرے کی صفائی۔"

"ممانی جان کمرے کی حالت تو دیکھیں۔"

"کیا کریں بیٹا مجبوری ہے، ورنہ اس کا کمرا تو گھر کے تمام کمروں سے زیادہ چمکتا دکھائی دے۔"

"آج صفائی کرکے دیکھتے ہیں ممانی جان کیا ہوتا ہے اگر عریش بھائی آکر ناراض ہوئے تو پھر سوچیں گے آگے کیا کرنا ہے۔"

"آگے!" چھوٹی نے ابرو اچکائیں۔ "آگے کیا کرنا ہے بھئی۔"

"فی الحال تو تم شروع ہوجاؤ... شاباش......" دانیہ نے اسے چمکارا۔

"دیکھو بیٹا، وہ آکر کچھ کہے سنے تو دل برا مت کرنا۔" اماں نے جاتے جاتے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

دانیہ کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ اماں جو اس کی آمد کے ابتدائی دنوں میں کافی محتاط دکھائی دیتی رہی تھیں اب مطمئن تھیں۔

کمرے کی صفائی میں دوپہر ہوگئی اور اس صفائی میں بے وفا محبوب کی ایک تصویر بھی ہاتھ لگی۔

"چھوٹی! یہ کتنے عرصے سے رہ رہے ہیں اس طرح؟" دانیہ نے کمرے کی انتہائی بے ترتیبی دیکھ کر پوچھا۔

"دو سال تو ہوگئے ہوں گے۔"

کمرا صاف ہوگیا، چیزیں ترتیب پاگئیں، بیڈ روم ریفریجریٹر، مائیکرو ویو اوون، گندے برتن، بستر کی چادر، تکیہ غلاف، کشن کورز، سب جھکا جھک ہوگئے، دانیہ نے لان سے تازہ پھولوں کی ٹہنیاں چھوٹی سے تڑوائیں اور کمرے میں سجادیں۔

سہ پہر کو عریش کی واپسی ہوئی تو اماں، دانیہ اور چھوٹی کے ساتھ ابا بھی سانس روک کر بیٹھ گئے۔ نہ کوئی شور اٹھا نہ طوفان آیا نہ کوئی قیامت بپا ہوئی۔ البتہ شام کو جب دانیہ افطاری کی ٹرے لے کر عریش کے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو وہ دروازہ کھولتے ہی غرایا۔

"کس نے کہا تھا تمہیں میرے کمرے میں

مداخلت کرنے کو۔"

"کمرا!" وہ مسکرائی۔ "کمرا تو یہ اب دکھائی دے رہا ہے ورنہ۔"

"ورنہ؟"

"کسی دیوانے کا مسکن لگ رہا تھا۔"

"مہمان بن کر آئی ہو مہمان ہی بن کر رہو، اس گھر کے معاملات میں زیادہ مداخلت کی ضرورت نہیں۔" وہ جارحانہ تیوروں سے بولا۔

اس کی بات کے دوران دانیہ نے اپنے لیے راہ بنائی اور افطاری کے لوازمات سے لدی ٹرے میز پر رکھنے کے بعد اس کی بات کے جواب میں بولی۔

"آپ کو کیا پتا میں کس حد تک مداخلت کرسکتی ہوں۔"

"شٹ..." عریش کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اوگاڈ!" دانیہ نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے گالی دی مجھے۔"

"نو...... ناٹ ایٹ آل... ناٹ ایٹ آل......" وہ ٹپٹا گیا تھا۔

"جی ہاں... جی ہاں... آپ نے مجھے گالی دی... شٹ کہا۔" روہانسی نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور جھوٹ موٹ سسکنے لگی۔

"دیکھو... دیکھو... میں نے جان بوجھ کر... ارادتاً... نہیں کہا... بس اچانک منہ سے نکل گیا۔"

"کوئی اچھی بات نہیں نکال سکتے منہ سے۔"

وہ بدستور چہرے پر اپنے ہاتھ ڈھانپے رقت زدہ لہجے میں بولی۔

"نکال سکتا ہوں... سوری... سوسوری۔"

"وہ ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپے انگلیوں کی جھریوں سے راستہ دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔ عریش چند ثانیے خاموش کھڑا رہا پھر اس نے دائیں ہاتھ کا مکا بنایا اور قریبی دیوار پر پوری طاقت سے رسید کرتے ہوئے زیرلب بڑبڑایا۔ "شٹ!"

☆☆☆

اگلی صبح سحری کے وقت جب وہ دوسری ٹرے میں سحری کے لوازمات سجا کر اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو گزشتہ افطاری کی ٹرے کمرے کے دروازے کے باہر فرش پر رکھی تھی۔ تمام چیزیں جوں کی توں ان چھوئی رکھی تھیں۔ اس نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ عریش نے دروازہ کھولا۔

"تم پھر آگئیں؟" اس کے لہجے میں غراہٹ کے بجائے ناپسندیدگی اور بیزاری کی کیفیت تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ اپنے روبرو کھڑے چھ فٹ طویل قامت کے عریش کے پہلو سے اپنے لیے راستہ بنایا۔ سحری کی ٹرے میز پر رکھی۔ واپس پلٹی کمرے کے باہر فرش پر دھری افطاری کے ٹرے اٹھائی اور چلی گئی۔ اماں اداس ہوگئیں۔

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا وہ بہت ضدی ہے... وہ بچپن ہی سے ضدی ہے مرضی کی چیز نہ ملنے پر وہ نہ جانے کتنی چیزیں توڑ پھوڑ دیا کرتا تھا۔"

"ممانی جان! زندگی بدلتی ہے، مرضی کی چیز نہ ملنے پر آپ ہمیشہ ہی توڑ پھوڑ نہیں مچا سکتے...... سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔"

"وہ سمجھوتا کرنا چاہے تب نا!"

"دیکھتے ہیں ممانی جان کیا ہوتا ہے۔"

"اچھا تم سحری تو کرلو... آئی تھیں اپنے

دوھیال والوں سے ملنے اور پڑ گئیں ہمارے چکروں میں۔"

"صرف ددھیال والوں سے ہی تو نہیں ممانی جان آپ لوگوں سے بھی۔" وہ سحری کے لیے سب کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

نصف رمضان گزر گیا تھا۔

دانیہ انتہائی استقلال کے ساتھ سحری اور افطاری کے وقت ٹرے آراستہ کرکے اسے پہنچا رہی تھی اور وہ بھی اسی استقلال کے ساتھ جوں کی توں واپس کردیتا۔ اس کے دفتر جانے کے بعد چھوٹی کے ساتھ مل کر اس کے کمرے کی صفائی بھی اس نے اپنا معمول بنالی تھی۔

"تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے کیا جو تم میرا کمرا تباہ کردیتی ہو۔" ایک روز وہ زچ ہوکر بولا۔

"نہیں۔ تمہیں ہے کوئی اور کام۔" وہ بے چارگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انتہائی بھولے منہ سے بولی۔

"او خدایا!" وہ منہ اوپر کرکے بے بسی سے کمرے کی چھت کو دیکھنے لگا۔

"اوپر کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"اپنی قسمت!"

"کیا وہاں ہے؟" وہ بھی منہ اوپر کرکے چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

"کتنے سکون سے رہ رہا تھا تم نے آکر۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں۔ کیا کیا میں نے آکر!"

"کچھ نہیں بابا۔" وہ جھلا گیا۔ "بائی دا وے تم آئی کتنے دن کے لیے ہو؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔" اس نے شانے اچکائے۔

"کیا مطلب؟"

"کس بات کا مطلب"

"کسی بات کا نہیں۔" وہ ناگواری سے بولا۔

☆☆☆

دانیہ کے پاکستان آنے کا بڑا مقصد دادا کے انتقال پر ددھیال والوں کو پرسہ دینا تھا مگر اس نے ان لوگوں کو نہ لندن سے اپنی روانگی کی اطلاع دی تھی نہ پہنچنے کے بعد اب تک اطلاع دی تھی۔ وہ اچانک وہاں جاکر انہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی، خیال یہ تھا کہ کراچی پہنچنے کے ایک دو دن بعد وہ اپنی ننھیال کے کسی فرد کے ہمراہ راول پنڈی چلی جائے گی لیکن یہاں آتے ہی ماہ صیام شروع ہوگیا اور وہ عرلیش کے معاملے میں ایسی گرفتار ہوئی کہ نصف رمضان گزر گیا۔ اب تو جانا لازم ہی لازم تھا عید کے بعد تو اسے انگلستان واپس جانا تھا۔

راول پنڈی اسے اکیلے ہی جانا پڑا کہ یہاں سے کسی کو اس کے ساتھ جانے کی فرصت نہیں تھی۔ ہر ایک کی اپنی اپنی مجبوری تھی، کوئی بوڑھا، کوئی بیمار، کسی کی ملازمت، کسی کی تعلیم، سچی بات تو یہ تھی کہ مجبوری نہ بھی ہوتی تو اس کے ننھیال سے کوئی اس شخص کے متعلقین سے کوئی ربط نہیں رکھنا چاہتا تھا جس نے ان کے گھرانے کی نیک نفس ساجدہ کو جیتے جی درگور کردیا تھا۔ طلاق کا صدمہ سینے پر لے کر تین بچوں کے ساتھ ساجدہ نے کیسے اپنی زندگی گزاری تھی، یہ خود وہی جانتی تھیں یا پھر اُن کے دردمند۔ کہنے والے تو کہہ دیتے تھے کام نہ بھی کرو تو سرکار خرچا دے دیتی ہے مگر سرکار کے دیے اور مرد کی کمائی میں فرق ہوتا ہے اور پھر مسائل صرف معاشی ہی تو نہیں ہوتے جذباتی بھی ہوتے ہیں۔

کراچی ائرپورٹ پر راول پنڈی کے لیے بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد دانیہ نے ائرپورٹ ہی سے...... اپنے ایک چچا کو ان کے موبائل فون پر اپنے آنے کی اطلاع دی، یہ فون نمبر اس نے اپنے باپ کے ہی ایک رشتے دار سے لیا تھا جو اپنی فیملی کے ساتھ عرصہ دراز سے انگلستان ہی میں رہ رہے تھے۔ ساجدہ اپنی شادی کے ابتدائی دو ڈھائی سال شوہر کے ساتھ ان ہی کے گھر کے ایک حصے میں کرایہ پر رہی تھیں اور تب سے ان لوگوں سے جو تعلقات بنے تھے ساجدہ کی طلاق نے ان تعلقات کو ختم یا کمزور کرنے کے بجائے اور مضبوط کردیا تھا۔ ان لوگوں کا پاکستان آنا جانا رہتا تھا۔ رشتے دار ہونے کے ناتے دانیہ کے ددھیال والوں سے ان کا ملنا جلنا رہتا تھا۔ ان سے اپنے چچاؤں اور پھپھیوں کے فون نمبرز لیتے ہوئے دانیہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ وہاں پہنچ نہیں جاتی یہ لوگ انہیں کچھ نہ بتائیں۔

دادی، چچاؤں اور پھپھیوں نے دانیہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کی صورت، اس کا... سراپا، لباس، گفتگو، اٹھنے، بیٹھنے، چال، ڈھال غرض ایک ایک بات کی تعریف کی جاتی اور اس کے باپ پر سو سو صلواتیں بھیجی جاتیں۔

"ہائے کیسا بدنصیب ہے نذیر علی جو ایسی اچھی اولاد سے محروم ہوکر بیٹھ گیا۔ بات کرتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ نماز روزے کی ایسی پابند کہ کیا ہماری پاکستانی لڑکیاں ہوں گی۔" دانیہ دو تین دن رہنے کے ارادے سے آئی تھی مگر ددھیال والوں نے اسے ہفتہ بھر بعد بھی جانے کی بہ مشکل اجازت دی۔

"میں پھر آؤں گی دادو۔" اس نے بوڑھی دادی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چومتے ہوئے کہا۔

"میں کہاں ہوں گی۔" دادی کے لہجے میں حسرت تھی۔

"یہیں ہوں گی اور کہاں!"

"بوڑھے آدمی کا کوئی پتا نہیں ہوتا کب پرچی کٹ جائے۔"

"جب میں دوبارہ آؤں گی تو آپ انشاء اللہ یہیں ہوں گی۔ اسی چارپائی پر بیٹھی ہوئی اور میں آکر کہوں گی دادو میں پھر آگئی ہوں۔" دادی رونے لگیں۔ بڑھاپے میں انسان اتنا رقیق ہوجاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی آنسو پھوٹ پڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔

"اچھا دادو..." اس نے جھک کر دادی کے سر کو بوسہ دیا۔ زندگی دورخی چال چلتی ہے، کبھی بچے بڑوں کی توجہ اور پیار کے طلبگار ہوتے ہیں کبھی بوڑھوں کو بچوں کی توجہ اور پیار کا محتاج بنادیتی ہے۔

☆☆☆

سحری اور افطاری کی ٹرے آنے کا سلسلہ تھمنے سے وہ دوبارہ یکسو ہوگیا تھا۔ اسے یقین تھا یہ سب اماں کی چال تھی ورنہ دور دیس سے آنے والی پھوپی زاد کو کیا پڑی تھی کہ وہ دونوں وقت ٹرے سجا کر لاتی رہی۔ جس دیس کی وہ پروردہ تھی وہاں تو اپنے بھی اپنوں کے نہیں ہوتے۔ ماں باپ اور اولاد بھی ایک خاص وقت تک ایک دوسرے کے پھر تیرا راستہ اور میرا اور بیوی، شوہر سے کہتی ہے اپنا ناشتا خود بناؤ، اپنے جھوٹے برتن خود جانو اس دیس کی پروردہ کو غیروں جیسے اجنبی ماموں زاد کے لیے ٹرے سجا کر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اماں، صرف اماں... یہ انہی کا اسٹیج کردہ ڈراما تھا جو فلاپ ہوگیا۔ وہ شاید واپس چلی گئی، کیا سمجھتی تھیں اماں کہ وہ ایک لڑکی کے

ہاتھ دو چار دن سحری افطاری بھجوا کر اسے اس کے محاذ سے پسپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

"ہرگز نہیں! کسی قیمت پر نہیں۔"

وہ کسی سنہری جال میں پھنسنے والا نہیں تھا۔ اسے اپنا مورچہ چھوڑنے کی مجبوری تھی نہ ضرورت، یہ طے تھا کہ اب زندگی اسی طور گزرے گی۔ زوباریہ کی یادوں کو سینے سے لگا کر۔ زوباریہ اگر بے وفائی کر گئی تھی تو یہ اس کا معاملہ تھا۔ وہ تو بے وفا نہیں تھا، اسے زوباریہ سے محبت تھی، کل بھی اور آج بھی اور محبت، وفاداری اور بے وفائی سے بے نیاز ہوتی ہے۔ اسے انجام سے علاقہ نہیں ہوتا۔ وہ تو بس اتنا جانتی ہے کہ۔ بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے! سو وہ زوباریہ کے نام کی دھونی رمائے بیٹھا تھا اور بیٹھا ہی رہنا چاہتا تھا۔ ساجدہ پھپھو کی بیٹی جیسی ایک نہیں دس حسیناؤں کو بھی اماں سحری اور افطاری کی ٹرے تھما کر اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا کر دیتیں تو بھی وہ اس گھر کے لوگوں سے اپنے ٹوٹے روابط بحال کرنے والا نہیں تھا۔

زندہ باد، اے محبت زندہ باد!

مگر یہ کیا! وہ تو اپنی دانست میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ چلی گئی ہوگی مگر وہ تو پھر اسی طرح ٹرے اٹھائے دوبارہ اس کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم پھر آ گئیں!" وہ اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے بولا۔ کچھ کہے سنے بنا وہ اس کے پہلو سے راستہ بناتی خاموشی سے آگے بڑھی اور اس نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

"اسے! اسے اٹھاؤ۔" اس نے انگلی سے ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔

"میں نے پہلے بھی بتایا تھا میرا نام دانیہ ہے۔"

"دانیہ ہو یا دانیہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

وہ اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی۔ "آپ کو یہ خوش فہمی کیوں ہوئی کہ کسی اور کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"دلچسپی نہیں تو یہ ٹرے کیوں لائی جا رہی ہے؟"

"سب آپ کی طرح خود غرض نہیں ہوتے، کچھ لوگ ہیں اس دنیا میں جنہیں دوسروں کا بھی خیال ہوتا ہے۔"

"تمہیں کس نے اجازت دی کہ مجھے خود غرض کہو۔"

"میں نے آپ کا نام تو نہیں لیا۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں کہ سمجھ نہ سکوں۔"

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "پانی وہیں مرتا ہے جہاں نشیب ہوتا ہے۔"

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" وہ غرایا۔

"میں اس حد سے بھی بڑھ سکتی ہوں۔" وہ مسکرا دی۔

"میں نے پھر کچھ کہہ دیا تو پھر آنسو بہانے بیٹھ جاؤ گی۔"

"زیادہ سے زیادہ کیا کہیں گے شٹ! آپ لوگوں کو بس یہی آتا ہے، کبھی انگلینڈ آئیں ایسی عمدہ اور نفیس گالیاں سننے کو ملتی ہیں کہ چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔"

"تمہی کو مبارک ہو، مجھے تمہارے انگلینڈ آنے اور گالیاں سننے کا کوئی شوق نہیں۔" وہ بھنا کر بولا۔

"خدا نہ کرے جو انگلینڈ میرا ہو، میرا تو پاکستان ہے۔"

"برٹش نیشنلٹی پر یونہی اتراتے ہیں تم جیسے لوگ۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"کم از کم میں تو نہیں۔"

"دماغ مت کھاؤ..... جاؤ۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بیزاری سے کہا۔

"جا رہی ہوں... پھر آنے کے لیے۔"

"مصیبت!" وہ اس کے جانے کے بعد بڑبڑایا۔

میز کے نزدیک آ کر اس نے ٹرے کا بغور معائنہ کیا، دودھ پھینی کھائے بغیر یہ دوسرا رمضان گزر رہا تھا، گھر کی خواتین کے ہاتھ کی سحری اور افطاری کا اہتمام اور مزہ ہی اور ہوتا ہے مگر اس روز بھی اس کے دفتر جانے کے بعد سحری کی ٹرے ان چھوئی رکھی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز اتوار تھا۔

سحری، نماز فجر اور قرآن مجید کی تلاوت کے بعد سب حسب معمول سو گئے۔ چھٹی تھی عریش کو بھی دفتر نہیں جانا تھا۔ دن چڑھے دانیہ کی آنکھ کھلی تو کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دیں کوئی زور زور سے کراہ رہا تھا۔ مردانہ آواز تھی، شاید ابا...... اور باہر کچھ کھلبلی سی مچی محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی پریشانی میں ہو، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اسکارف سر پر لیا، پاؤں میں چپلیں پہنیں اور دروازے کا رخ کیا۔

"چھوٹی مجھے قرآن مجید دے انہیں ہوا دوں قرآن مجید کی۔" اماں ابا کے کمرے سے اماں کی آواز آ رہی تھی، کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، دانیہ تیزی سے لپکی ابا سینے پر ہاتھ دھرے زور زور سے کراہ رہے تھے۔ منہ یوں کھلا ہوا تھا جیسے سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی ہو، چہرے پر پسینے کے آثار تھے۔ اماں ان کے پاس ہی تھیں، ہراساں اور لرزاں کبھی ان کا کندھا دبانے لگتیں کبھی سینہ تھپتھپاتیں، چھوٹی نے انہیں قرآن مجید دیا تو وہ قرآن مجید ابا کے چہرے کے نزدیک کر کے انہیں ہوا دینے لگیں۔

"شاید ہارٹ اٹیک......" دانیہ کو گمان ہوا۔

"ممانی جان! ماموں کو اسپتال لے جانے کی ضرورت ہے۔" اس نے کہا۔

"ایں!" اماں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے اسے بے بسی سے دیکھا اور روہانسے لہجے میں بولیں۔ "کون لے جائے؟ ارے ہے کون جو لے جائے۔"

لمحے بھر کو تو وہ گنگ سی کھڑی دیکھتی رہی، ابا کی حالت بہت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ایمبولینس!

اتوار....

عریش!

وہ تیزی سے کمرے سے نکلی، لپکی اور عریش کے کمرے کا دروازہ بری طرح دھڑ دھڑا ڈالا۔ وہ سو رہا تھا، ہڑبڑا کر اٹھا۔ دروازہ کھولا تو اسے کھڑے دیکھ کر بپھر گیا۔ "کیا مصیبت ہے! دروازہ کھٹکھٹانے کی تمیز ہے یا نہیں۔"

"ماموں..... ماموں کی طبیعت بہت خراب ہے..... بہت زیادہ..... وہ....." اس نے اپنا بازو کھول کر اماں ابا کے کمرے کی راہداری کی سمت اشارہ کیا۔ "بہت..... بہت تکلیف میں ہیں۔" اس کے لہجے سے لگتا تھا ان کی تکلیف اسے بھی غیر معمولی تکلیف سے دوچار کیے دے رہی تھی۔ دفعتاً اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "پلیز! ہیلپ! انہیں فوراً! اسپتال لے جانے کی ضرورت ہے۔" وہ دم بخود کھڑا رہا۔

"ہیلپ ہم۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ وہ مڑا اور دانیہ نے اسے کسی مشینی انسان کی طرح لپے

لیے ڈگ بھرتے اور بیڈ سائڈ سے گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھاتے دیکھا۔

☆☆☆

دانیہ کا گمان درست تھا۔ دو دن ابا کو سی سی یو میں رکھا گیا اور ان دو دنوں میں عریش، دانیہ، نایاب اور عارف اسپتال کا کوڑی پھیرا لگاتے رہے، ایک آتا، دوسرا جاتا، دوسرا آتا، پہلا جاتا اماں کو ان کی اپنی طبیعت کے خیال سے زیادہ دیر اسپتال میں نہ ٹھہرنے دیا جاتا۔ وہ تھوڑی دیر کو آتیں پھر نہ چاہتے ہوئے بھی سب کے کہنے پر گھر چلی جاتیں، سوموار کی صبح عریش نے اپنے دفتر بھی اطلاع کردی تھی۔ دو تین کولیگز تو فوراً ہی اسپتال پہنچے اور ابا کو سی سی یو کے باہر ہی سے ایک نظر دیکھ کر چلے گئے۔ عریش کا فون وقفے وقفے سے بج رہا تھا کبھی گھر سے فون، کبھی کسی رشتے دار کی جانب سے ابا کی مزاج پرسی اور کبھی اس کے دفتر کے کسی فرد کی طرف سے بذریعہ فون عیادت۔ ابا کی اچانک علالت نے عریش اور گھر والوں کے درمیان کھڑی دیوار وقتی طور پر تو گرا ہی دی تھی۔

تیسرے دن جب ابا کو سی سی یو سے علیحدہ کمرے میں منتقل کیا گیا تو عریش ان کے اسٹریچر کے ساتھ ساتھ تھا۔ ابا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ ان کے چہرے پر زردی بکھری ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں مگر عریش کا ہاتھ اپنے سینے پر دھرے وہ بڑے پُرسکون لگ رہے تھے۔

"ہم سب ابا کے پاس تھے مگر انہوں نے ہاتھ بس بھیا ہی کا تھاما ہوا تھا۔" بعد میں نایاب نے اماں کو بتایا چوتھے دن شام کے وقت ابا کو اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس روز ستائیسواں روزہ تھا۔

افطار کے وقت عریش اپنے کمرے میں چلا گیا تو اماں اداس ہوگئیں۔

"دانیہ باجی، آپ افطاری کی ٹرے رکھ آئیں، کیا پتا آج بھیا جی گھر کی افطاری کر ہی لیں۔" چھوٹی نے کہا۔

"کوئی ٹرے ورے نہیں۔" دانیہ نے سخت لہجے میں کہا۔

چھوٹی نے حیرانی سے اسے دیکھا اور بولی۔

"چار دن ایک پاؤں سے کھڑے رہے ہیں بھیا جی بچارے اسپتال میں۔"

"کوئی احسان نہیں کیا، ان کا فرض تھا — ساری زندگی بھی ایک پاؤں سے کھڑے رہیں تو ماں باپ کا حق ادا نہیں کر سکتے۔"

"ہیں!"

"جی ہاں۔"

"میں تو خوش ہو رہی تھی کہ بھیا جی کا روزہ ٹوٹ گیا مگر وہ تو پھر اپنے کمرے میں بند ہو گئے۔" چھوٹی بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

دانیہ خالی ہاتھ عریش کے کمرے کے دروازے پر جا پہنچی، ہلکی سی دستک دی تو اندر سے جواب ملا۔ "ہاں کون ہے؟"

"میں۔"

اس نے دروازہ کھول دیا اور انتہائی ممنونیت سے بولا۔ "تھینکس اے لاٹ..... آپ نے میری بہت مدد کی۔"

"میرا فرض تھا۔" وہ بولی۔

"حیرت ہے۔"

"کس بات پر؟"

"اس معاشرے میں رہتے ہوئے جہاں اولاد ماں باپ کی نہیں احساسِ فرض!"

"عموماً معاشرہ کوئی برا نہیں ہوتا، اچھے برے لوگ ہر معاشرے میں ہوتے ہیں، یہاں کی طرح وہاں بھی ماں باپ سے محبت کرنے والی اولاد بھی ہوتی ہے اور ناخلف بھی، بس یہ کہیں انداز محبت اور طریقۂ زندگی مختلف ہے۔ وہاں ماں باپ کو چاہنے والے ان پر پھولوں اور کارڈوں کی رم جھم رکھتے ہیں۔ یہاں ایک مرتے ہوئے باپ کو دوبارہ زندگی سے ہمکنار ہونے میں مدد دینے والے اپنی انا کو مجروح نہ ہونے دینے کی خاطر پھر دوسرے کنارے پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔"

"طنز کر رہی ہیں مجھ پر۔"

"جی نہیں، ایک سمجھدار انسان کو اس کی ناسمجھی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس نے توقف کیا پھر بولی۔ "ماموں جان کی بیماری کے دوران آپ نے جس طرح ان کا خیال رکھا اس سے مجھے اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ آپ ماموں جان اور ممانی جان دونوں ہی سے بے حد محبت کرتے ہیں اور اگر خدانخواستہ ماموں جان کو آپ کی بے خبری میں کچھ ہو جاتا تو شاید آپ بہت اپ سیٹ ہو جاتے۔ دونوں بوڑھے ہیں، عمر کے اس حصے میں جب کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے اگر آپ اپنی انا کا خول اوڑھے اپنے کمرے میں بند ان سے لاتعلق بیٹھے ہے اور خدانخواستہ ان دونوں میں سے کوئی آپ کی ضرورت ہوتے ہوئے آپ کو اپنے نزدیک نہ پائے....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر چند ثانیے بعد بولی۔ "تو کیا آپ خود کو معاف کر سکیں گے؟" وہ کچھ نہیں بولا۔

"یہ تو محض اتفاق ہے کہ میں یہاں موجود تھی، میں نے آپ کو فوراً ہی خبر کی ورنہ ممانی جان بے چاری تو ہاتھ پاؤں چھوڑے بیٹھی رہ گئی ہوتیں، ہمیشہ ہی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی آپ کو خبر دینے والا موجود ہو۔"

اس نے بے ساختہ چونک کر دانیہ کی طرف دیکھا۔ "افطار کا وقت ہونے والا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہاں تو چلیں میں آپ کو بلانے کے لیے ہی آئی ہوں۔"

وہ متذبذب دکھائی دینے لگا۔

"ماموں جان بلا رہے ہیں آپ کو۔" اس نے مصلحت آمیز جھوٹ سے کام لینے کی کوشش کی۔

وہ بدستور الجھا الجھا کھڑا رہا۔

"چلیں۔" اس کے لہجے میں اصرار تھا۔

وہ شش و پنج کی کیفیت میں تھا۔

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ صلح کے آرزومند ہوتے ہیں اور صلح کروانے والا تیسرا ہاتھ نہیں ملتا۔"

"دانیہ باجی..... " چھوٹی کی پکار سنائی دی۔

"آئی ہوں۔" اس نے گردن کو خفیف سا موڑ کر بلند آہنگی سے جواب دیا۔

"بس دو منٹ رہ گئے ہیں افطار میں۔" چھوٹی اپنی آواز کے ساتھ راہداری میں پہنچ چکی تھی۔ عریش کو دیکھتے ہی اس کے قدم رک گئے تھے۔

"کوئی طریقہ ہے انہیں لے جانے کا؟" دانیہ نے چھوٹی کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہے تو......" چھوٹی جو عریش کو دیکھ کر شگفتہ دکھائی دینے لگی تھی بڑی بے تکلفی سے بولی۔

"کیا بھلا؟"

"ڈنڈا ڈولی۔"

"چلیں —" دانیہ نے اس کا ہاتھ اچانک ہی اپنے ہاتھ میں لے کر اسے زبردستی کھینچنا چاہا۔ وہ چل پڑا۔

افطار پر عریش کو دیکھ کر اماں کا رواں رواں کھلا

جا رہا تھا۔ ابا بھی ہزار منع کرنے کے باوجود بستر علالت سے اٹھ کر ان سب کے ساتھ آبیٹھے تھے اور بہت خوش تھے۔

"اس گھر میں اس مرتبہ دو سال بعد عید آ رہی ہے۔" اماں نے کہا۔

"ممانی جان عید تو ہر سال آتی ہے۔" دانیہ نے کن انکھیوں سے عریش کو دیکھا۔

"بیٹی! عید نام ہے کسی اچھے کام کے بدلے انعام کا...... عید نام ہے خوشی کا...... آدمی کا دل خوش ہو تو ہر دن، روز عید بن جاتا ہے۔" ابا کی آواز نقاہت مگر خوشی سے معمور تھی۔

"کیا خوشی اس عید کی جو دانیہ باجی کی طرح آئے کہیں دور سے۔" چھوٹی بولی۔

"واہ! کیا بات کہی ہے اس بچی نے۔" ابا پھڑک کر بولے۔

عریش اپنی نشست کا زاویہ اور سر کا رخ بدلے بنا صرف آنکھوں کے ڈھیلے اوپر چڑھا کر چھوٹی کو دیکھ رہا تھا اور وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر اپنا کان دبا رہی تھی۔

دانیہ مسکرا دی۔

☆☆☆

انتیس کا چاند تھا۔ چاند رات پورے سنگھار، پورے نکھار کے ساتھ اتری۔

اماں اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتی حواس باختہ ابا کے پاس پہنچیں۔ "ایسی باؤلی ہوگئی ہوں میں اس بڑھاپے میں کہ کیا بتاؤں۔"

"کچھ تو بتاؤ۔" عریش سے تعلقات کی استواری کے بعد ابا غیر معمولی خوشگوار موڈ میں رہنے لگے تھے۔

"پتھر پڑیں موئی اس عقل پر۔" اماں نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "درزی کے ہاں دانیہ کا جوڑا سلنے کو ڈالا تھا۔ اس نے کہا تھا اٹھائیس رمضان کی شام یاد سے منگوا لینا کیونکہ اٹھائیس کی رات سارا کام نمٹا کر میں اور میرے کاریگر گاؤں چلے جائیں گے۔" اماں نے دوبارہ اپنے سر کو پیٹا۔ "بدبختی مارا یہ دماغ ایسا خراب ہوا ہے کہ یاد ہی نہیں رہا...... کیا کہے گی دانیہ اور کیا سوچیں گی ساجدہ کے بچی ننھیال گئی اور وہاں...... بس آپ کی بیماری کے چکر میں بھول گئی میں۔"

"ارے بھئی تو اس میں سر بے چارے کو اتنا پیٹنے اور دماغ کو کوسنے کی ضرورت کیا ہے۔ کپڑے سلے سلائے بھی تو مل جاتے ہیں۔" ابا نے کہا۔

"آج چاند رات ہے، نایاب بے چاری تو نندوں کے ہاں عیدی لے جانے کے چکروں میں ہوگی آپ کی طبیعت اس لائق نہیں۔ کون لے جائے دانیہ کو سلے سلائے کپڑے خریدوانے۔" اماں بولیں۔

"ایک عدد مرد جواں بھی رہتا ہے اس گھر میں جس کا نام ہے عریش......"

"وہ لے جائے گا بھلا...... خدا خدا کر کے تو اس کا بگڑا موڈ بہتر ہوا ہے۔"

"کیوں نہیں لے جائے گا، میں کہتا ہوں ابھی۔" ابا رازداری سے کوئی بات کہنے کے لیے اماں کے نزدیک اپنا منہ لائے۔ "مجھے پتا ہوتا کہ میرا ہارٹ اٹیک کام دکھا جائے گا تو اب تک چھ سات......"

اماں نے اپنا ہاتھ ابا کے منہ پر رکھ دیا اور انہیں شاکی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "خدا نہ کرے۔"

ابا کے حکم پر عریش چاند رات کو دانیہ کو شہر کے سب سے بڑے شاپنگ مال میں دکان در دکان لیے

پھرا...... اماں نے کہا تھا کوئی چیز رہ نہ جائے۔ ریڈی میڈ سوٹ، سینڈلیں، جیولری، کاسمیٹکس، چوڑیاں اور مہندی۔ چھوٹی بھی مصاحبۂ خاص بنی دانیہ کے ساتھ تھی۔ جس نے غضب یہ کیا کہ رات تین بجے جب وہ دونوں اپنے ہاتھوں پر مہندی لگائے شٹشیاں بی پارلر سے نکلیں تو اس نے دانیہ کے کان میں چپکے سے آئس کریم کی فرمائش پھونک دی۔

"ہاتھوں میں تو مہندی لگی ہے آئس کریم کھاؤ گی کیسے تم لوگ؟" عریش نے کہا۔

"مجھے کھانی آتی ہے بھیا جی...... دونوں کلائیوں میں دبا کر کھالوں گی۔" چھوٹی چہکی۔

"اور جنہیں نہیں آتی؟"

"انہیں آپ کھلا دیجیے گا۔"

عریش شپٹا کر رہ گیا۔

چھوٹی کو بہت ہی سر چڑھا لیا تھا گھر والوں نے۔

☆☆☆

صبح عید تھی اور اس عید نے عریش کے اس خیال کو خام ثابت کر دیا تھا کہ زوباریہ اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ خالص مشرقی وضع کے فیروزی رنگ کے کامدار جوڑے میں دانیہ بلا کی خوب صورت لگ رہی تھی۔ مرمریں کلائیوں میں کانچ کی ست رنگی چوڑیوں کی پھبن دیدنی تھی اور اس پر قیامت ہتھیلیوں کے حنائی بیل بوٹے۔

"عیدی!" اس نے اپنا حنائی ہاتھ عریش کے سامنے پھیلایا تو اس کا دل الٹ پلٹ کر رہ گیا۔ خواب کی سی کیفیت میں اس کے ہاتھ دانیہ کے ہاتھ تک جا پہنچے۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کون ہے وہ؟'' عریش کو اپنی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''ما...... میری ما اور کون ''

''اوہ گاڈ!'' عریش نے اطمینان بھری سانس کھینچی۔ ''میں تو ڈر ہی گیا تھا...... اچھا سنو۔'' دانیہ کے سراپا سے اٹھتی مہک اسے دیوانہ کیے دے رہی تھی۔ ''مجھ سے شادی کرو گی؟''

وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''آپ کی اس محبت کا کیا بنے گا جس کی خاطر آپ ساری دنیا تیاگے بیٹھے ہیں۔''

''بھیل نو ہر۔''

''ہیں، ہیں، ہیں۔'' وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولی۔

''تمہاری خاطر میں پاکستان چھوڑ کر انگلینڈ جا بسنے کو بھی تیار ہوں۔'' عریش کے لہجے میں ایک گونہ بے تابی اور سپردگی تھی۔

''دل سے بے ایمانی نہیں جاتی۔'' دانیہ نے اسے ایک ادائے قاتلانہ سے دیکھا۔

''کیا مطلب!'' وہ ہڑ بڑا گیا۔

''بوڑھے والدین اور اپنے وطن کو چھوڑ کر کون جاتا ہے؟''

''اماں ابا کو بھی وہیں بلا لیں گے۔''

''اتنا آسان نہیں ہے۔''

''ہو جاتا ہے...... سب ہو جاتا ہے۔''

''اور اپنا وطن؟''

''یار ہم یہاں آتے رہیں گے۔''

''آپ پاگل تھے، پاگل ہیں اور پاگل ہی رہیں گے۔''

''کیا...... کیا مطلب...... ؟''

''اتنے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے اگر میں ہی یہاں آ جاؤں؟''

''ریئلی!'' وہ اچھل ہی تو پڑا۔ ''اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔''

''ما بھی لمبا پردیس کاٹ کر بیزار ہو چکی ہیں، اب اپنے وطن میں رہنا چاہتی ہیں۔''

''سر آنکھوں پر بھئی!'' عریش پر شادیٔ مرگ کی کیفیت تھی۔ ''تو تم واپس نہیں جا رہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''جانا تو پڑے گا۔''

عریش کا منہ لٹک گیا۔

''لیکن بہت جلد واپس آؤں گی۔''

''جب تک تم واپس نہیں آ جاتیں '' عریش کی لے دھیمی تھی۔

''رک کیوں گئے؟''

''آئی ول مس یو۔''

دانیہ نے نظریں جھکا لیں۔

''میں انتظار کروں گا۔''

''میں بھی......'' اس نے آہستہ سے کہا۔

عریش نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے، وہ چونکی اور اس کی نظریں یکبارگی عریش کی جانب اٹھیں۔

''عید مبارک......'' اس کے لہجے میں سرخوشی تھی۔

''عید مبارک!''

''چلو، اماں ابا کو بھی عید مبارک کہہ دیں۔'' عریش اپنی آنکھوں میں گہری وارفتگی سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا۔

دانیہ کو اپنی سماعت میں بس ایک ہی صدا سنائی دے رہی تھی۔ ''عید مبارک......''